EFFECT OF CAUSES OF RUKHSA IN RELAXATION OF SHARIA PROVISIONS

تخفیف احکام میں اسبابِ رخصت کا اثر

محمد قاسم صدیقی ریسرچ اسکالر، شعبہ اصول الدین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

محمد اسماعیل عارفی اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اصول الدین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT: *Allah almighty has made Islam a complete code of life. He sent His last message in the form of Islam and declared it a reward to human beings. The rulings of Islam are in accordance with the natural phenomenon and mental and physical level of human creatures. In time of urgent situations and indispensable circumstances specific relaxation in rulings is granted to the followers, which is called Rukhsa in Islamic Law. The rulings under this relaxation have an expansive perspective. In this article, the underlying causes of relaxation in sharia provisions have been elaborated. The basis of each cause of relaxation from Quran and Sunnah has been described. The Conditions, limits and restrictions, considered any cause to be a cause of relaxation, have been elucidated in rather detail.*

(Key words) *Rukhsa, Cause, Relaxation, Hurdles, Relaxation in Sharia.*

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر یہ فضل و کرم فرمایا کہ اس نے حرج کو احکام میں آسانی کا سبب قرار دیا تاکہ بندوں کے لیے کسی حال میں بھی شریعت پر عمل کرنا مشکل نہ ہو۔ چنانچہ پورے دینِ اسلام میں خواہ وہ عبادات کا شعبہ ہو یا معاملات کے مسائل، معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز ہوں یا حدود و تعزیرات کی عقوبات، غرضیکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلّق ایسی شرعی رخصتیں اور آسانیاں دی گئی ہیں جن کی وجہ سے دین پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے اِسی لئے اِس دین کو ''دینِ فطرت'' اور ''دینِ یُسر'' کہا جاتا ہے۔ البتہ چونکہ رخصت کے احکام محض تن آسانی کے لیے نہیں بلکہ ضرورت اور حرج پر مبنی ہیں لہذا اُمّت کے فقہاء نے احکامِ شرع سے متعلّق شرعی رخصتوں کے اصول و ضوابط اور ان کے اسباب بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات میں رخصت پر عمل کرنا ضروری یا عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

شریعت میں تخفیف حکم کا بنیادی سبب تو حرج ہے لیکن حرج کے تعین کے لیے فقہاء نے کچھ اسباب بیان کیے ہیں اور ان اسباب کے تحقق کے لیے کچھ شرائط و ضوابط ذکر کیے ہیں۔ اس مضمون میں ہم ان اسباب کا جائزہ پیش کریں گے جن کی بنیاد پر شریعت نے احکام میں تخفیف اور رخصت دی ہے۔ نیز کسی سبب کے سببِ رخصت ہونے کے لیے فقہاء نے جو شرائط و ضوابط بیان کیے ہیں ان کو بھی ذکر کریں گے تاکہ نئے پیش آمدہ مسائل میں ان شرائط و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی سببِ رخصت کے تحقق کا علم ہو سکے اور اس کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں رخصت کے حکم کا تعین کیا جا سکے۔ وہ مشہور اسباب جن کو فقہاء کرام نے تخفیفِ حکم کا سبب قرار دیا ہے، یہ ہیں: ضرورت، حاجت، مشقت، سفر، اکراہ، مرض، خطاء، جہل اور عموم بلوی۔

ضرورت و حاجت تخفیف حکم کے دو مشہور اسباب ضرورت و حاجت ہیں جن کی بنیاد پر شریعت نے احکام میں بہت سے رخصتیں اور

آسانیاں دی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کئی مقامات پر ضرورت اور حاجت کو رخصت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جس کو قرآن کی اصطلاح میں اضطرار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّم وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغ وَلَا عَاد فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنّ الله غَفُور رَحِيم۔[1] "اس نے تو تمہارے لئے مردار جانور، خون اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ھو، ھاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ۔[2] "اور تمہارے لیے کون سی رکاوٹ ہے جس کی بناپر تم اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اس نے تمہارے لیے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہو جاؤ (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدر ضرورت اجازت ہو جاتی ہے)۔"

اسی طرح حدیث میں حضرت ابو واقد لیثی فرماتے ہیں: قلت: يارسول الله! انا بارض تصيبنا مخمصة، فما يحل لنا من الميتة ؟ فقال: إذا لم تصطبحوا ولم تغتبقوا ولم تحتفئوا بقلا، فشأنكم بها۔[3] "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ ایسے علاقے میں رہتے ہیں کہ جہاں ہم مخمصہ یعنی سخت بھوک کا شکار ہیں تو کیا ہمارے لیے مردار کھانا حلال ہوگا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہیں نہ صبح کا کچھ کھانا ملے، نہ ہی شام کا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی کھانے کی چیز ملے تو تمہارا یہی حال ہے، یعنی تمہارے لیے مردار کھانا حلال ہے۔"

ضرورت کی تعریف

فقہاء کرام نے ضرورت کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں۔ فقہاء کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک جامع تعریف وہ ہے جو ڈاکٹر جمیل مبارک نے اپنی کتاب نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ میں کی ہے: الضرورة هي ان يبلغ الانسان حدا يخاف فیہ الھلاک او ضررا شديدا على الضروريات الخمس، يقينا او ظنا راجحا، ان لم يرتكب المحظور شرعا ليدفع هذا الھلاک او الضرر الشديد عن نفسہ۔[4] "ضرورت یہ ہے کہ انسان اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کو جان جانے کا خوف ہو یا ضروریات خمسہ (دین، جان، مال، عزت اور عقل) کے بارے میں شدید نقصان کا یقین یا ظن غالب ہو اگر وہ اس ممنوع فعل کا ارتکاب نہ کرے، تاکہ وہ اس ہلاکت کے خوف اور نقصان کو اپنی ذات سے دور کر سکے۔"

اس تعریف میں ضرورت کی تمام اقسام کو ضرورت میں شامل کیا گیا ہے، اسی لیے یہ معنی کے اعتبار سے سب سے جامع تعریف ہے۔

حاجت کی تعریف

شیخ ابوزہرہ نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں حاجت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: هو الذى لا يكون الحكم الشرعى فيه لحماية اصل من اصول الخمسة، بل سيقصد دفع المشقة او الحرج او الاحتياط لهذه الامور الخمسة۔[5] "حاجت وہ ہے کہ جس میں دیا گیا حکم براہ راست ضروریات خمسہ (دین، جان، مال، عزت اور عقل) کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقصد ان ضروریات خمسہ کے تحفظ کے حصول میں حائل مشقتوں کو دور کرنا یا ان ضروریات خمسہ کے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہے۔"

یہ تعریف حاجت کی انفرادی حیثیت میں ہے، لیکن اگر اسی درجہ کا حرج اجتماعی طور پر پیدا ہو جائے تو ضرورت کے درجہ میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: الحاجة اذا عمت كانت كالضرورة۔[6] چنانچہ ضمان درک، بدل خلو، بیع بالوفاء، خیار نقد ثمن، خیار غبن فاحش، اجرت سمسار اور اجرت حمام وغیرہ اسی اجتماعی حرج کے قبیل کے احکام ہیں۔

ضرورت وحاجت میں فرق

ضرورت وحاجت کی تعریفات سے ان میں یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ جن احکام کے ذریعہ نظام زندگی مفلوج ہو سکتا ہو وہ ضرورت کے درجہ میں ہیں اور جو مشقت کے ازالہ یا احتیاطی پیش بندی کے طور دیے گئے ہوں وہ حاجت کے درجہ میں ہیں۔ چونکہ ضرورت وحاجت دونوں ہی کا تعلق مشقت سے ہے اور مشقت ایک خارجی چیز ہے جو کہ جگہ، افراد اور زمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے جس پر ایک ہی قانون کا لگانا ممکن نہیں۔ اس لئے ہر موقع اور محل کی مناسبت سے اسکا فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا یہ امر ضرورت میں داخل ہے یا حاجت میں۔ علامہ شاطبیؒ نے اس بات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے: والمشاق تختلف بالقوة والضعف وبحسب الأحوال وبحسب قوة العزائم وضعفها وبحسب الأزمان وبحسب الأعمال۔[7] "قوت وضعف، حالات، ارادے کی پختگی وکمزوری، زمانہ اور اعمال کے اعتبار سے مشقتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔"

ضرورت وحاجت کے سببِ رخصت ہونے کی شرائط

ضرورت وحاجت کے اعتبار میں فقہاء کرام نے اس کے حدود اور ضوابط بھی طے کر دیے ہیں تاکہ جہاں ایک طرف انسان کی جائز اور واجب ضروریات کا خیال کرتے ہوئے اسے رخصت اور سہولت دی جائے تو دوسری طرف ضرورت وحاجت کا یہ عنوان ایسی اباحت کا دروازہ نہ کھول دے جو شریعت کی قائم کردہ حدود اربعہ کو ہی توڑ دے۔ علماء اصول کے مطابق وہ شرائط وقیود درج ذیل ہیں:

۱۔ ضرورت بالفعل حقیقتاً موجود ہو، محض اس کا وہم نہ ہو۔ جس طرح کہ فقہاء کا قول ہے: الرخصة لا تناط بالشک۔[8] "رخصت شک کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوتی۔"

۲۔ ضرورت پر عمل کرنے سے اس سے بڑے درجے کا ضرر لاحق نہ ہو۔ یعنی کسی بھی ضرر کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس پر عمل

کی صورت میں اس سے بڑے ضرر کو اختیار نہ کرنا پڑے۔اس لئے کہ اس سے جلب مفاسد لازم آتا ہے اور شریعت اسلامیہ جلب مفاسد کی اجازت نہیں دیتی۔اس بارے میں ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا اجتمع للمضطر محرمان كل منهما لا يباح بدون الضرورة وجب تقديم أخفهما مفسدة وأقلهما ضررا۔[9] "جب مضطر کے لیے دو قسم کے حرام جمع ہو جائیں اور ان میں سے کوئی بھی ضرورت کے بغیر مباح نہیں ہوتا تو ادنی قسم کے فساد یا حرام کے ارتکاب کو چھوڑ کر بڑے ضرر یا فساد کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

۳۔ضرورت بقدر ضرورت متحقق ہو گی۔یعنی ضرورت پر عمل اسی صورت میں کیا جائے گا کہ وہ ضرورت کے بقدر ہی ہو و گرنہ یہ حد سے تجاوز کے مترادف ہو گا جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد پاک ہے: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَاعَادٍفَلَاإِثْمَ عَلَيْهِ إِنّ اللّٰہ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔[10] "پس جو شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو جبکہ اسکا مقصد لذت حاصل کرنا نہیں ہو اور نہ ہی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، پس اللہ تعالی بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔"

مطلب یہ کہ ممنوع شرعی کا اس قدر ارتکاب کہ جو ضرورت کو زائل کرنے کی مقدار سے تجاوز کر جائے، یہ سرکشی ہے جو کہ حرام ہے۔ مفسرین اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں: الباغي آكل الميتة فوق الحاجة، والعادي آكلها مع وجود غيرها۔[11] "باغی وہ ہے جو مردار کو حاجت کی مقدار سے زیادہ کھاتا ہے اور عادی وہ ہے جو حلال کے موجود ہونے کے باوجود بھی اس حرام کو کھاتا ہے۔"

۴۔فعل ممنوع کے علاوہ ضرورت دور کرنے کا کوئی اور مباح وسیلہ نہ ہو۔چونکہ ممنوع شرعی کا ارتکاب ضرورت سے بچنے کا ایک وسیلہ ہے اس حیثیت سے مکلف کے پاس ضرورت سے بچنے کے لیے ارتکاب ممنوع کے علاوہ کوئی اور جائز راستہ نہ ہو۔اس کی دلیل حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جب انہیں بواسیر کی شکایت ہوئی تو انہوں نے نماز سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: صل قائما فان لم تستطع فقاعدا ،فان لم تستطع فعلى جنب۔[12] "یعنی کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ادا کرو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل ادا کرو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اگر نماز ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو اس سے پہلو کے بل ادا کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر قادر ہے کیونکہ پہلو کے بل ادا کرنا آخری درجہ ہے، لہذا جب تک انتہائی صورت سے پہلے کوئی صورت ممکن ہو گی تو اس کی اجازت نہ ہو گی۔ لہذا اگر ضرورت سے بچنے کا کوئی مباح راستہ موجود ہو تو حرام کے ارتکاب کی اجازت نہ ہو گی۔

مشقت

اسباب رخصت میں سے ایک اہم سبب مشقت ہے۔ شیخ عبدالکریم زیدان نے مشقت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ان الاحكام التى ينشا عن تطبيقها حرج على المكلف ومشقة فى نفسه او ماله، فالشريعة تخففها بمعنى ان الصعوبة تصير سببا للتسهيل بما يقع تحت قدرة المكلف دون عسر او احراج۔[13] "وہ احکام جن پر عمل کرنے سے مکلف بندے پر مشقت اور حرج واقع ہو، چاہے اس کی جان میں یا مال

میں، شریعت ایسے احکام کو آسان کر دیتی ہے، اس طور پر کہ وہ مشقت بندے کے لیے احکام میں آسانی کا سبب بن جاتی ہے۔"

مشقت اور تکلیف کے معنی میں یہ لفظ حدیث شریف میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل وضوء۔[14] "اگر مجھے ان لوگوں پر مشقت اور تکلیف کا خوف نہ ہوتا تو میں مسواک کو ہر وضو کے لیے لازم کر دیتا۔" علامہ ابن اثیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: أي لولا أن أثقِّل عليهم، من المشَقَّة وهي الشِّدّة۔[15] فقہاء کرام نے مشقت کی دو قسمیں ذکر کی ہیں: ا۔ معتاد ۲۔ غیر معتاد۔ تخفیف احکام میں مشقت غیر معتاد مؤثر ہے، لیکن مشقت معتاد کا تخفیف احکام میں کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مشقت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ مشقت جو عموماً ہر عبادت میں پائی جاتی ہے، (اسے مشقت معتاد کہتے ہیں) جیسے وضو اور غسل کرنے میں ٹھنڈ لگنا، یا جیسے گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنا، یا جیسے حج اور جہاد جیسے مشکل سفر میں مشقت کا ہونا، حد یا سنگساری کی تکلیف، قاتل کو قصاصاً قتل کرتے وقت کی تکلیف، یا جیسے باغیوں کو قتل کرنے کی تکلیف، مذکورہ تمام قسم کی مشقتوں کا عبادت کو ساقط کرنے میں کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری وہ مشقت جو بڑی اور سخت ہے، جیسے جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف، ایسی مشقت عبادات میں تخفیف اور آسانی کا سبب بنتی ہے (اسے مشقت غیر معتاد کہتے ہیں)۔"[16]

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے مشقت کے حوالے سے کافی تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: احکام شرعیہ میں کچھ مشقتیں تو لازماً موجود ہوتی ہیں، اس لئے کہ تھوڑی بہت مشقت تو ہر کام میں ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا، اسکے مقابلے کی مشقت کے تین درجات ہیں ایک تو وہ جس میں انتہائی شدید مشقت ہو اسکا تو سب ہی نے اعتبار کیا ہے، اسکے بعد وہ جسمیں درمیانے درجہ کی مشقت ہو اس میں فیصلہ ایک مشکل امر ہوتا ہے اسی لئے فقہاء کا ایسے مسائل میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔"[17]

سفر

اسباب رخصت میں سے ایک سبب رخصت ہے جس کی بنیاد پر احکام میں تخفیف رکھی گئی ہے۔ سفر کے سبب رخصت ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔[18] "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔" دوسری جگہ فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْعَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔[19] "اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کرکے آئے یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو۔" اسی طرح حدیث مبارکہ میں آتا ہے: عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهم، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فرأى زحاما ورجلا قد ظلل عليه، فقال: «ما هذا؟»، فقالوا:

صائم، فقال: «ليس من البر الصوم في السفر».[20] ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، تو آپ نے ایک جگہ لوگوں کا رش دیکھا اور ایک آدمی کو دیکھا کہ لوگوں نے اس پر سایا کیا ہوا ہے، تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ روزہ دار ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔''

رفع الحرج فی التشریع الاسلامی میں سفر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: السفر هو قطع مسافة تجيز الاخذ باحكام الرخص فى التكاليف الشرعية ورفع الحرج عن المكلفين۔[21] ''سفر اتنی مسافت کا طے کرنا جس سے شرعی احکام میں رخصت کی اجازت کا جواز ثابت ہو جائے اور مکلف بندوں سے تکلیف دور ہو جائے۔''

سفر شرعی کی مقدار

مسافت سفر کی تعیین میں علماء کرام کے بہت سے اقوال ہیں، بعض نے ۱۲۰ اقوال تک نقل فرمائے ہیں۔اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسافت سفر کی کوئی تعیین نہیں بتائی گئی اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مقادیر پر قصر کرنے کی وجہ سے یہ اختلاف زیادہ ہو گیا۔اسی وجہ سے صحابہ کرام اور تابعین میں بھی یہ اختلاف برقرار رہا۔احناف کے نزدیک وہ سفر جس سے احکام شرعیہ میں تغیر آتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متوسط رفتار سے تین دن اور تین رات پیدل جتنی مسافت طے کر سکے وہ مسافت سفر ہے۔[22]

احناف نے تین دن کے قول میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عن علي قال جعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم.[23] ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (موزوں پر مسح کرنے کی مدت) مسافر کے لیے تین دن اور تین رات جبکہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی۔''

اس حدیث میں مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن بیان کی گئی ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سفر شرعی کی مدت بھی تین دن ہو کیونکہ مسافر کا لفظ عام ہے اور یہ حدیث ہر مسافر کو شامل ہے، اگر سفر شرعی اس سے کم مدت کا ہوتا تو تین دن سے کم مدت والے مسافر تین دن تک مسح نہ کرنے کے اہل نہ ہوتے اور یہ حدیث میں موجود لفظ مسافر کے عموم کے خلاف ہے، لہذا ضروری ہوا کہ مسافر کے سفر کی مدت تین دن سے کم نہ ہو۔ پھر موجودہ زمانے میں اسکا انداز مفتی بہ قول کے مطابق اڑتالیس میل شرعی ہے، جو کہ 77،8 کلومیٹر بنتا ہے۔

اکراہ

تخفیف احکام کے اسباب میں سے ایک سبب اکراہ ہے۔علامہ فخر الاسلام بزدوی اکراہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الإكراه حمل الغير على أمر يمتنع عنه بتخويف بقدر الحامل على إيقاعه ويصير الغير خائفا به فأتت الرضاء بالمباشرة۔[24]

"اکراہ یہ ہے کہ کسی آدمی کو زبردستی خوف دلا کر اس کی رضامندی کے بغیر کسی ایسے کام کے کرنے پر مجبور کرنا جسے وہ نہ کرنا چاہتا ہو، اور مجبور کرنے والا تکلیف پہنچانے پر قادر بھی ہو۔"

فقہاء کرام نے اکراہ کی دو اقسام ذکر کی ہیں: ا۔ اکراہ ملجی　　۲۔ اکراہ غیر ملجی

اکراہ ملجی یہ ہے کہ کسی کو جان سے مارنے کی دھمکی دے کر یا کسی عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دے کر کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور مجبور کرنے والا ایسا کرنے پر قادر بھی ہو تو اس کو اکراہ ملجی کہتے ہیں۔ جان کی دھمکی سے اکراہ کے تحقق پر تو اتفاق ہے البتہ مال کے ضائع کرنے سے اکراہ معتبر ہونے نہ ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر مال کی مقدار تھوڑی ہے تو اس کا اعتبار نہیں، البتہ اگر مال کی مقدار اتنی زیادہ ہے جو مکرہ کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث ہے تو اس صورت میں اکراہ کا اعتبار کیا جائے گا۔[25]

اس لئے کہ انسان اپنے مال کا بھی اسی طرح دفاع کرتا ہے جس طرح اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے، اور کبھی کبھار تو انسان جان دے دیتا ہے لیکن مال خرچ نہیں کرتا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قتل دون ماله فهو شهيد۔[26] "جو آدمی اپنے مال کے دفاع میں مارا گیا وہ شہید ہے۔"

اکراہ غیر ملجی وہ ہے جس میں جان سے مارنے، کسی عضو کو ضائع کرنے یا مال کی بڑی مقدار ضائع کرنے کی دھمکی نہ دی گئی ہے بلکہ معمولی نوعیت کا جبر کیا جائے۔

مذکورہ بالا اکراہ کی دونوں اقسام کی تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سببِ رخصت اکراہ کی پہلی قسم ہے یعنی وہ اکراہ جس میں جان یا عضو کے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے یا اسی طرح مال کثیر کے ضائع کرنے کی دھمکی دی جائے، نیز دھمکی دینے والا شخص ایسا کرنے پر قادر بھی ہو اور جس کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ اس جبر کو دفع کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، معتبر ہے اور وہ تصرفات شرعیہ میں رخصت کا سبب بنے گا۔ اور اگر اکراہ میں معمولی مار پیٹ کی جائے یا ایک دو دن کی قید میں رکھنے کی دھمکی دی جائے تو ایسا اکراہ موجب رخصت نہیں ہوگا۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لو توعدوه بضرب سوط واحد او حبس يوم او قيد يوم،لايصير مكرها بهذا القدر من الحبس۔[27] "اگر مکرِہ نے کسی کو ایک کوڑا مارنے یا ایک دن قید کرنے کی دھمکی دی تو ایسا اکراہ معتبر نہ ہوگا۔"

تصرفات شرعیہ میں اکراہ کا اثر

اکراہ کی حالت میں مکرَہ کے کیے گئے تصرفات منعقد اور نافذ ہوں گے یا لغو؟ اس بارے میں علامہ سرخسی رحمہ فرماتے ہیں کہ مکرَہ کے بعض تصرفات تو منعقد ہوتے ہیں اور بعض لغو ہیں۔ اسکی دلیل یہ ضابطہ ہے کہ بعض احکام ہزل یعنی مذاق سے منعقد ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے۔ یعنی ہر وہ امر شرعی جو فسخ کا احتمال رکھتا ہے وہ ہزل کی حالت میں صحیح نہیں ہوتا اور وہ اکراہ کی صورت میں منعقد نہیں ہوتا،

چاہے اکراہ تام ہو یا ناقص۔ جیسے بیع اور اجارہ، یہ دونوں مکرہ کی حالت اکراہ تک موقوف رہیں گے، حالت اکراہ ختم ہونے کے بعد اگر مکرہ نے اس کو نافذ کرنے کی اجازت دی تو منعقد ہو جائیں گے ورنہ فسخ ہو جائیں گے۔ جبکہ وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے جیسے نکاح طلاق وغیرہ وہ اکراہ کے باوجود بھی منعقد اور نافذ ہو جاتے ہیں۔[28]

علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکراہ کی حالت میں بعض احکام جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ کا منعقد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض احکام میں رضا کا ہونا شرط ہے اور اکراہ کی صورت میں رضا نہیں پائی جاتی، جبکہ عتق اور طلاق کے منعقد ہونے کے لیے رضا ضروری نہیں بلکہ یہ ہزل یعنی مذاق میں بھی منعقد ہو جاتے ہیں لہذا عتق اور طلاق حالت اکراہ میں بھی منعقد ہو جاتے ہیں۔[29]

مرض

اسباب تخفیف میں سے ایک سبب مرض ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔[30] ''پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزے کا فدیہ ادا کریں۔'' دوسری جگہ فرمایا: لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ۔[31] ''اندھے آدمی پر جہاد نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں ہے، نہ لنگڑے آدمی پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار آدمی پر کوئی گناہ ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ۔[32] ''کمزور لوگوں پر جہاد میں نہ جانے کا کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر۔''

رفع الحرج فی التشریع الاسلامی میں سفر کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: المرض عرض یطرا علی بدن الانسان یزول بھا اعتدال طبیعتھ النفسیۃ والخلقیۃ ویودی الی اضعاف البدن عن القیام بالمطلوب منھ علی الوجھ المعتاد،فلا یستطیع اداء التکالیف او یودیھا مع تحمل مشقۃ زائدۃ قد تتضاعف۔[33] ''مرض وہ حالت ہے جو انسانی طبیعت کو پیش آتی ہے جس کی وجہ سے انسانی بدن اپنے کاموں کو معمول کے مطابق ادا کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، یا تو بالکل ادا ہی نہیں کر سکتا ہے یا بہت مشقت کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے۔''

مرض کا سبب رخصت ہونے کی شرائط

تفسیر قرطبی میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ مرض کی صورت مختلف حالات میں اور مختلف عبادات سے اعتبار سے الگ الگ ہے، بسا اوقات مرض ایک عبادت کے لیے سبب رخصت ہوتا ہے لیکن دوسری عبادت کے لیے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے فمن کان منکم مریضا کے تحت لکھا ہے: ''مریض کی دو حالتیں ہیں: ۱۔ وہ بالکل روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو ایسی حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا واجب ہے، ۲۔ مشقت اور تکلیف کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہو۔ ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں: انسان کی ہر وہ حالت جسے مرض کہا جا سکے وہ سبب رخصت ہے۔ وہ اس کو مسافر پر قیاس فرماتے ہیں کہ مسافر کے لیے نفس سفر سے ہی رخصت کا حکم جاری ہو جاتا ہے ایسے ہی مریض کے لیے نفس مرض ہی موجب رخصت

ہے۔جمہور علماء کے ہاں وہ مرض رخصت کا سبب بنے گا جس میں مریض کو عزیمت پر عمل کرنے میں شدید تکلیف ہو یا اس کا مرض بڑھ جانے کا امکان ہو یا اس کی تندرست ہونے میں تاخیر کا سبب بنے۔ایسی صورت میں اس کے لیے احکام شرعیہ میں تخفیف اور آسانی پیدا ہو جائے گی۔''

دلائل شرع میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کیونکہ مطلقا ہر مرض کو موجب رخصت قرار دینے سے رخصت کا دروازہ کھل جائے گا اور لوگ تکاسل کا شکار ہو کر ہر مسئلہ میں رخصت کو اختیار کرنے لگیں گے جو کہ مقاصد شرع کے خلاف ہے۔لہذا جب تک دین دار، ماہر طبیب کسی بیمار کے لئے روزہ رکھنے کو نقصان دہ قرار نہ دے اس وقت تک ہر بیماری میں روزہ چھوڑنے کی رخصت نہیں دی جاسکتی۔

خطاء

اسباب رخصت میں سے ایک اور سبب خطاء ہے۔خطاء کے سبب رخصت ہونے پر علماء اصول کا اتفاق ہے، اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: إن الله قد تجاوز عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه-[34] ''بے شک اللہ تعالی نے میری امت سے غلطی، بھولنے اور زبردستی کی صورت میں کیے جانے والے کاموں کو معاف کر دیا ہے۔''

اس حدیث میں صراحت ہے کہ میری امت سے خطاء اٹھالی گئی ہے، اب اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی خطاء کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خطاء کا ظہور تو ابن آدم سے ہوتا آیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت سے خطاء سے ہونے والے قول وفعل کا گناہ ہٹا دیا گیا ہے۔اور یہ امت محمدیہ کا اختصاص ہے۔

خطاء کی تعریف میں علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: الخطأ: أن يقصد بالفعل غير المحل الذي يقصد به الجناية-[35] ''خطا یہ ہے کہ فعل سے مقصود اس محل کے علاوہ ہو جس محل میں جنایت مقصود ہوتی ہے۔''

شیخ محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں: الخطاء وقوع الفعل او القول على خلاف ما يريد الفاعل او القائل-[36] ''خطاء کسی فعل یا قول کا فاعل یا قائل کی مرضی کے خلاف واقع ہونا۔''

علماء اصول نے خطاء کی تین اقسام بیان کی ہیں:

۱۔خطاء فی القول والفعل　　۲۔خطاء فی القصد　　۳۔خطاء فی التقدیر

۱۔خطاء فی القول والفعل

خطاء فی الفعل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی معین ہدف کو نشانہ بنا کر تیر پھینکے اور وہ تیر کسی انسان یا جانور کو لگ جائے اور وہ مر جائے، اور خطاء فی القول یہ ہے کہ کوئی آدمی کوئی لفظ بولنے کا ارادہ کرے اور زبان پھسل کر لفظ طلاق بول جائے۔اس قسم کا حکم یہ ہے کہ مالی تاوان تو

ساقط نہ ہو گا، لیکن عقوبت بدنیہ ساقط ہو جائے گی البتہ اس غلطی پر گناہ ہو گا۔

۲۔ خطاء فی القصد

خطاء فی القصد سے مراد نیت اور ارادہ کی غلطی ہے، جیسے کوئی آدمی کسی ہدف کو شکار سمجھ کر تیر مارے اور وہ ہدف کوئی جانور نہیں بلکہ انسان تھا۔ اب یہاں غلطی فعل میں نہیں ہوئی کیونکہ فعل تو اپنے ہدف میں واقع ہوا بلکہ غلطی تیر مارنے والے کی نیت اور ارادہ میں ہوئی کہ اس نے انسان کو غلطی سے جانور سمجھ کر مار دیا۔ اس قسم کا حکم بھی وہی ہے جو پہلی قسم کا ہے کہ مالی تاوان معاف نہیں ہو گا البتہ عقوبت بدنیہ ساقط ہو جائے گی۔

۳۔ خطاء فی التقدیر

خطاء فی التقدیر کا مطلب ہے کہ اندازہ کرنے میں غلطی کرنا، مثلاً جیسے ڈاکٹر کا مریض کے مرض کی غلط تشخیص کر دینا یا غلط دواء تجویز کرنا۔ اس کا حکم ہے یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر ماہر فن ہو اور پھر بھی اس سے تشخیص مرض یا دوا میں غلطی ہو جائے اور مریض مر جائے تو ڈاکٹر پر تاوان نہیں ہو گا۔ اور اگر ڈاکٹر ماہر فن نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس پر تاوان لازم ہو گا۔ ابو داود میں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تطبب ولا یعلم منہ طب فھو ضامن۔[37] ''جو شخص طبیب بنا اور اس کا طبیب ہونا لوگوں میں معروف نہ ہو تو وہ ضامن ہو گا۔''

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خطاء

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بھی خطاء کے حکم میں فرق ہے۔ بندوں کے حقوق میں اگر کسی سے غلطی سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے وہ معاف نہیں ہو گا بلکہ اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ کیونکہ حقوق العباد کا دار و مدار بدلہ لینے پر ہے، جیسے کسی نے کسی کا مال ضائع کر دیا تو اس کو تاوان دینا لازم ہو گا۔ جس طرح کسی نے دوسرے کا مال اپنا سمجھ کر کھا لیا تو اس کا تاوان دینا لازم ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی گاڑی چلا رہا تھا اور گاڑی کی ٹکر سے کوئی مر گیا یا زخمی ہو گیا تو اس کا تاوان دینا لازم ہو گا چاہے یہ حادثہ جان بوجھ ہو کر ہوا ہو یا غلطی سے۔

حقوق میں خطاء سے کبھی صرف گناہ معاف ہو جاتا ہے اور کبھی اس حکم شرعی کا دوبارہ لوٹانا بھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسے عبادات میں سے نماز میں اگر قراءت میں غلطی ہو جائے یا کوئی سنت واجب چھوٹ جائے تو اس کا گناہ نہیں ہو گا، اسی طرح سمت قبلہ واضح نہیں تھی مصلی نے اپنے اجتہاد سے ایک جانب متعین کر کے نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ اس جانب نہیں تھا تو نماز ہو گئی دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہین۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں مجتہد سے اگر غلطی ہو جائے تو وہ معاف ہو گی یا حاکم نے ظاہری تقاضوں کو پورا کرنے کے باوجود بھی غلط فیصلہ کر دیا تو عند اللہ اس کا گناہ نہین ہو گا۔ البتہ کبھی کبھار مدعی کی طرف سے حقیقی صورتحال واضح نہ کرنے کی

وجہ سے فیصلہ درست نہیں ہو پاتا ایسی صورت میں حق کو چھپانے کا گناہ اور وبال مدعی پر ہو گا نہ کہ حاکم پر۔اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے گھر کے قریب ایک جھگڑا ہوتے دیکھا تو فرمایا: إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، وأقضي له على نحو ما أسمع، فمن قضيت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذ، فإنما أقطع له قطعة من النار-[38] ''بے شک میں تمہاری طرح انسان ہوں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے پاس کسی جھگڑے کا مقدمہ آتا ہے اور فریقین میں ایک اپنا مدعا پیش کرنے میں زیادہ ماہر ہوتا ہے اور اس کی قوت کلام سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہی سچا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، لہذا اگر اس طرح کی صورتحال میں اگر کسی کے حق میں فیصلہ کر بھی دوں تو وہ حق اس کے لیے دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہو گا۔''

جہل

علماء اصولیین نے جہل کو بھی تخفیف احکام میں موثر قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی جہل کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الجهل هو عدم العلم عما من شأنه أن يعلم-[39] ''جہل کہتے ہیں کسی ایسی بات کے نہ جاننے کو جس کا حق یہ ہے کہ اس کو جانا جائے۔''

احکام شریعت سے جہالت ایک بشری کمزوری ہے، جس کا ظہور مختلف حالات میں ہوتا رہتا ہے۔ نیز اس کی قلت و کثرت ملکوں، شہروں اور علاقوں کے اعتبار سے ہے، اسلامی ممالک اور وہ غیر مسلم ممالک جہاں دین کا پیغام واضح انداز میں پہنچ چکا ہے وہاں اس کی مقدار کم ہے، اور غیر مسلم ممالک جہاں نبوت تعلیمات ابھی تک پوری طرح نہیں پہنچ سکیں وہاں اس کا سلسلہ زیادہ ہے۔ لہذا اس بنیاد کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سب افراد کے لیے جہل کا ایک حکم لگانا اور وضع کرنا مشکل ہے، کیونکہ سب کے لیے ضروریات دین اور تفصیلات دین برابر جاننا ممکن نہیں ہے، اس لیے سب کے لیے ایک جتنی تخفیف اور گنجائش ممکن نہیں، مثلاً اسلامی ممالک میں رہنے والے شخص کے لیے اعتقادات دین کا پورا علم رکھنا لازم ہے جبکہ وہ علاقے جہاں دین کا پیغام پوری طرح نہیں پہنچا اور انہوں نے صرف کلمہ پڑھا ہے اور حکومتی سطح پر بھی ان کے لیے دین کو اعلانیہ سیکھنے میں مشکلات ہیں ان کے لیے اس میں گنجائش ہو گی۔

علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الفروق میں ایک ضابطہ لکھا ہے کہ کن امور میں جہل عذر ہے اور کن میں نہیں؟ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: '' صاحب شریعت نے بعض امور شرع سے جہالت کو معاف کیا ہے اور اس میں گنجائش دی ہے، اور بعض امور میں جہالت کا معاف نہیں فرمایا اور ان پر مواخذہ کیا ہے۔اس فرق کی بنیاد یہ بات ہے کہ بعض چیزوں میں جہل سے بچنا بسہولت ممکن ہے اور بعض میں نہیں۔اس کی مختلف صورتیں ہیں:

پہلی صورت: کسی آدمی نے کسی اجنبیہ عورت کو رات کے اندھیرے میں اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کرلی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کوئی اجنبیہ عورت تھی تو یہ جہالت شریعت میں قابل معافی ہے، کیونکہ مخصوص حالات میں اس بات کی تفتیش کرنا اور اس نوع کی غلطی

سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

دوسری صورت: کسی نے ناپاک کھانے کو پاک سمجھ کر کھالیا تو اسے حرام کھانے کا گناہ نہیں ہو گا کیونکہ شدید بھوک لگی ہو اور کھانا میسر بھی نہ ہو تو ایسے وقت میں ملنے والے کھانے میں اس بات کی تحقیق و تفتیش میں حرج ہے اس لیے یہ جہالت قابل معافی ہو گی۔

تیسری صورت: ایک مسلمان کفار کی صفوں میں موجود تھا اور مسلمانوں کی طرف سے کسی نے اس کو حربی کافر سمجھ کر مار دیا تو یہ جہالت قابل معافی ہو گی کیونکہ جنگی صورتحال میں اس بات کی تحقیق کرنا ممکن نہیں۔ ہاں اگر دونوں فوجیں باہم مخلوط تھیں اور پھر کسی نے بغیر تحقیق کے کسی مسلمان مار دیا تو وہ گناہگار ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے مسلمان اور کافر کی پہچان کرنا ممکن تھا۔

چوتھی صورت: حاکم نے جھوٹی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ دے دیا تو حاکم کو گناہ نہیں ہو گا کیونکہ حاکم کے لیے حقیقی صورتحال کا معلوم کرنا ممکن نہیں تھا۔"[40]

دوسری صورت اس جہالت کی ہے جو قابل معافی نہیں، اور جس میں جاہل کو معذور نہیں سمجھا گیا۔ اس بارے میں علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں: " وہ جہل جس میں مکلف کو معذور نہیں سمجھا گیا اس میں خصوصیت کے ساتھ اعتقادات کے مسائل ہیں، کیونکہ صاحب شریعت نے اعتقادات کے معاملہ میں بہت تاکید اور سختی کی ہے اور ہر شخص اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ وہ ضروریات دین کا ضروری علم حاصل کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ کافر کہلائے گا اور عند اللہ مجرم ٹھہرے گا۔"[41]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس بارے میں فرماتے ہیں: كل من جهل تحريم شيء مما يشترك فيه غالب الناس. لم يقبل، إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام، أو نشأ ببادية بعيدة يخفى فيها مثل ذلك-[42] "ہر وہ شخص جس کو کسی ایسی چیز کی حرمت کا علم تھا جس کا علم اکثر لوگوں کو تھا تو اس حرام کے ارتکاب میں اس کا جہالت کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ کوئی شخص نو مسلم ہو اور ابھی اسلام کے تفصیلی احکام سے واقف نہ ہو یا کوئی شخص کسی دور دیہات میں رہتا ہو اور وہاں تعلیم دین کا بندوبست نہیں تھا، ایسی صورت میں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔"

عموم بلوی

اسباب رخصت میں سے ایک سبب عموم بلوی ہے۔ عموم بلوی کی تعریف میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عموم بلوی سے مراد یہ ہے کہ کوئی مصیبت اتنی عام ہو جائے کہ مشقت شدیدہ کے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ ہو۔"[43]

علماء اصولیین کا اس پر اتفاق ہے کہ عموم بلوی رخصت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے، جو مکلف کی زندگی کے بیشتر شعبوں کو شامل ہے، جیسے طہارات عبادات، معاملات وغیرہ۔ اس کے متعدد دلائل ہیں۔ حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی تو قضاء کرتی ہے لیکن نماز کی قضاء نہیں

کرتی؟ تو حضرت عائشہ نے جواب دیا: کیا تو کوئی خوارج سے تعلق رکھنے والی عورت ہے (کیونکہ خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حائضہ نماز اور روزہ دونوں کی قضاء کرے گی) میں نے کہا نہیں میں خارجی عورت نہیں بلکہ میں تو بس پوچھ رہی ہوں، تو انہوں نے جواب دیا: ہمیں یہ مسئلہ پیش آتا تھا تو ہمیں صرف روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔"[44]

حائضہ عورت کو صرف روزہ کی قضاء کا حکم دیا گیا کیونکہ روزہ سال میں ایک مرتبہ آتا ہے اور سال میں تین چار روزے قضاء کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ نماز روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے، اور ماہواری بھی ہر ماہ ہوتی ہے، لہذا ہر ماہ اتنی نمازوں کی قضاء کا حکم دینے میں حرج ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں نماز کے باب میں رخصت دے دی۔

حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک سے روایت ہے: "وہ (حضرت ابو قتادہ کی بیوی تھیں) کہتی ہیں کہ ابو قتادہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے لیے وضو کا پانی ڈالا، ایک بلی آئی اور اس سے پینے لگی تو ابو قتادہ نے برتن بلی کے لیے ٹیڑھا کر دیا اور وہ پینے لگ گئی، کبشہ کہتی ہیں کہ ابو قتادہ نے میرے ان کو دیکھنے کو محسوس کیا تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، کیونکہ وہ تمہارے پاس کثرت سے آنے والے جانوروں میں سے ہے۔"[45]

اس حدیث میں اس جملہ "بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، کیونکہ وہ تمہارے پاس کثرت سے آنے والے جانوروں میں سے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ بلی کی گھروں میں آمد چونکہ زیادہ ہوتی ہے اور اس سے برتنوں کی حفاظت میں حرج ہے اس لیے اس کے جھوٹے میں گنجائش رکھ دی گئی۔

اعلام الموقعین میں ہے: "صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں لوگ مٹی اور کیچڑ میں پیدل چل کر مسجد آتے تھے اور اسی حالت میں نماز پڑھتے تھے۔"[46] مذکورہ دلائل اور دیگر بہت سے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی جگہ کسی مسئلہ میں ابتلاء عام ہو جائے تو وہاں حکم میں بھی تخفیف اور آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

بلویٰ اور حاجت کی اقسام

عموم بلویٰ کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آزمائش اور بلویٰ جب عام ہو جائے تو اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے اور سب لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یعنی عموم کا مطلب یہ ہے کہ وہ حاجت جس کی طرف احتیاج ہے، اس کے سب لوگ محتاج ہوں۔ البتہ یہ حاجت کن کو شامل ہو اس اعتبار سے علماء کرام نے حاجت کی دو اقسام بیان کی ہیں:[47]

۱۔ حاجت عامہ ۲۔ حاجت خاصہ

حاجت عامہ سے مراد وہ حاجت ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہو، جس میں علاقوں اور افراد کی تخصیص نہ ہو اور جس چیز میں حاجت ہو اس کا تعلق لوگوں کی مشترک ضروریات تجارت، صنعت اور سیاست وغیرہ سے ہو۔ اس کی مثالیں وہ عقود اور معاملات ہیں جو اصل اور قیاس

کے اعتبار سے ناجائز تھے لیکن حاجت عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے شریعت نے ان کی اجازت دی ہے، جیسے اجارہ، بیع سلم اور وصیت وغیرہ۔

حاجت خاصہ سے مراد یہ ہے کہ حاجت کسی خاص جماعت اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد تک محدود ہو یا اس حاجت کا تعلق مخصوص حالات سے وابستہ ہو۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ کتا پالنا ممنوع ہے، لیکن بغرض حفاظت اس کی اجازت ہے۔ حدیث شریف کے مطابق کتا پالنے کی ممانعت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اتخذ كلبا إلا كلب ماشية أو صيد أو زرع انتقص من أجره كل يوم قيراط۔[48] ''جس شخص نے کتا پالا، سوائے شکار کرنے یا کھیتی کی حفاظت یا مال مویشی کی حفاظت کے، تو روزانہ اس کے اجر سے ایک قیراط کم کیا جائے گا۔''

یعنی مالدار آدمی کے لیے یا مال مویشی والے شخص کے لیے بغرض حفاظت کتا پالنے کی اجازت ہے۔ اس مثال میں حاجت کا تعلق عامۃ الناس سے نہیں بلکہ ایک مخصوص طبقہ سے ہے۔

۲۔ اسی طرح سونے اور ریشم کا استعمال اس امت کے لیے ممنوع ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: إن نبي الله -صلى الله عليه وسلم- أخذ حريرا فجعله فى يمينه وأخذ ذهبا فجعله فى شماله ثم قال « إن هذين حرام على ذكور أمتى »۔[49] ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا اور پھر فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''

عموم بلوی کا ضابطہ

کسی فرد یا قوم کے لیے حاجت عامہ اور ضرورت ہونے کا فیصلہ ہر شخص کی ذاتی رائے پر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ اس کے تعین کے لیے فقہاء کرام نے کچھ شرائط اور علامات مقرر فرمائی ہیں کہ جن کی موجودگی میں حاجت عام کے تحقق کا حکم لگے گا اور رخصت دی جائے گی۔ اس بارے میں فقہاء کرام نے دو باتوں کو مد نظر رکھا ہے:

۱۔ کسی چیز کی قلت اور مقدار کی کمی   ۲۔ کسی چیز کی کثرت اور شیوع

قلت اور کمی کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کی مقدار اتنی کم ہوتی ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا، جیسے نجاست کی قلیل مقدار، یا پتھر سے استنجاء کی صورت میں پتھر کی نجاست کے معمولی اثرات سے بچاؤ ممکن نہیں ہوتا۔ یا راستے سے چلتے وقت کیچڑ کی چھینٹوں سے بچاؤ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور کثرت اور شیوع کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں بلوی اتنا عام ہو اس سے بچنا ممکن نہ ہو، یعنی کثرت سے مراد مطلق ہر غلبہ اور کثرت نہیں بلکہ وہ غلبہ مراد ہے جس سے احتراز ممکن نہ ہو یا جس سے بچنے میں حرج اور مشقت شدیدہ ہو۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے بے انتہاء آسانیاں رکھی ہیں اور انہیں کسی قسم کی مشقت میں نہیں ڈالا، اسی لئے اللہ رب العزت نے دو طرح کے احکام نازل کئے ہیں ایک کو عزیمت اور دوسرے کو رخصت سے تعبیر کیا جاتا ہے، فقہاء کرام نے قرآن کریم ،احادیثِ مبارکہ سے بہت سے رخصت کے اصول مستنبط کئے ہیں جن کی روشنی میں نت نئے رخصت سے متعلق مسائل کا حل نکالا جاتا ہے وہیں اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں اس کے ذریعے سے اباحت کا دروازہ نہ کھل جائے جس سے لوگ اس عنوان کے ذیل میں اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنے لگیں،اسی لئے فقہاء نے اسکے اسباب اور حدود بھی متعین کی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کن اسباب کے تحت کہاں کہاں اور کتنی گنجائش دی گئی ہے۔اسبابِ رخصت میں بنیادی سبب تو حرج ہے تاہم اسکی تعیین کیلئے مستقل اسباب رخصت ذکر کئے ہیں جن میں ضرورت و حاجت اور مشقت اصل ہیں پھر انکے ساتھ ساتھ دیگر اسباب مثلا مرض، سفر، جہل، خطاء، اکراہ، اور عموم بلویٰ بھی شامل ہوتے ہیں ،یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے ان بعد کے اسباب کو ضرورت و حاجت اور مشقت کے تحت ہی ذکر کیا ہے اور انکو الگ سبب قرار نہیں دیا جبکہ اکثر فقہاء نے انکو مستقل اسبابِ رخصت میں شمار کیا ہے ،تاہم دونوں صورتوں میں احکامِ رخصت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

مصادر و مراجع

---

[1] القرآن، البقرة:۱۷۳

[2] القرآن، الأنعام: ۱۱۹

[3] احمد بن حنبل، مسند احمد، مکتبه مؤسسة الرساله، طبع دوم، ۱۹۹۹ء، ۲۲۷/۳۶

[4] ابن مبارک، جمیل محمد، نظرية الضرورة الشرعية،دارالوفاء، قاہره، طبع اول،۱۹۸۸ء، ص: ۲۸

[5] ابوزہره، محمداحمدمصطفی، اصول الفقه لابی زہره، دارالفکر العربی، ص:۳۷۱

[6] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، ۱۶۴/۱

[7] شاطبی، ابراہیم بن موسی، الموافقات، دارالمعرفة، بیروت،۳۱۴/۱

[8] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباه والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، ۲۴۹/۱

[9] ابن رجب، زین الدین،عبدالرحمن بن احمد، تقريرالقواعد و تحرير الفوائد ،دارالکتب العلمیه،بیروت،ص: ۲۴۶

[10] القرآن، البقرة: ۱۷۳

[11] ابن العربی، محمدبن عبدالله، احکام القرآن، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع سوم،۲۰۰۳ء، ۸۵/۱

[12] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاة، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۴۸/۲

[13] زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی شرح القواعدالفقهیه، مؤسسة الرساله، بیروت، طبع اول،۲۰۰۱ء، ص:۵۳

[14] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاة، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۳۱/۳

[15] جزری، ابن اثیر، مبارک بن محمد، النہایه فی غریب الأثر، المکتبة العلمیه، بیروت، طبع، ۱۹۷۹ء، ۴۹۱/۳

[16] ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباه والنظائر، دارلکتب العلمیه، بیروت، طبع،۱۹۸۰، ص:۸۲

[17] عزبن عبدالسلام، عبد العزیز، قواعدا لاحکام فی اصلاح الانام، مکتبة الکلیات الازہریه،قاہره، طبع جدید، ۱۹۹۱ء،۱۰،۹/۲

[18] القرآن، البقرة: ۱۸۴

[19] القرآن، المائدۃ: ۶

[20] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۳۴/۳

[21] عاطف احمد محفوظ، رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، مطبعۃ جامعۃ المنصور، مصر، ص: ۱۷۹

[22] مرغینانی، برہان الدین، علی بن ابی بکر، الهدایه فی شرح بدایة المبتدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۸۰/۱

[23] مسلم بن الحجاج، ابوالحسین، صحیح مسلم، دارالجیل، بیروت، طبع اول، ۱۴۳۴ھ، ۱۵۹/۱

[24] علاء الدین ، عبد العزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخرالاسلام البزدوی، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع، ۱۹۹۷ء، ۵۳۸/۴

[25] ابن قدامه، عبدالله بن احمد، المغنی، مکتبة القاہرہ، طبع،۱۹۶۸ء، ۳۸۴/۷

[26] ترمذی، محمدبن عیسی، سنن الترمذی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۹/۴

[27] سرخسی، شمس الائمه، محمد بن احمد، المبسوط، دارالمعرفه، بیروت، طبع، ۱۹۹۳ء، ۵۱/۲۴

[28] سرخسی، شمس الائمه، محمد بن احمد، المبسوط، دارالمعرفه، بیروت، طبع، ۱۹۹۳ء، ۵۶/۲۴

[29] زیلعی، فخرالدین، عثمان بن علی، تبیین الحقائق، مطبع کبری امیریه، قاہرہ، طبع اول، ۱۳۱۳ھ، ۱۸۷/۵

[30] القرآن، البقرۃ: ۱۸۴

[31] القرآن، الفتح: ۱۷

[32] القرآن، التوبة: ۹۱

[33] عاطف احمد محفوظ، رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، مطبعة جامعة المنصور، مصر، ص: ۱۵۶

[34] ابن ماجه القزوینی، محمدبن یزید، سنن ابن ماجه، دارالرسالة العالمیه، طبع اول، ۲۰۰۹ء، ۲۰۰/۳

[35] امیر بادشاہ، محمد امین بن محمود، تیسیر التحریر، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع ، ۱۹۸۳ء، ۳۰۵/۲

[36] ابوزہرہ، محمداحمدمصطفی، اصول الفقه لابی زہرہ، دارالفکر العربی، ص:۳۵۳

[37] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۳۲۰/۴

[38] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۲۵/۹

[39] زرکشی، بدرالدین، محمدبن عبدالله، البحرالمحیط فی اصول الفقه، دارالکتب العلمیه،بیروت،طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۵۵/۱

[40] قرافی، شہاب الدین ، احمدبن ادریس، الفروق، مکتبة عالم الکتب، ۱۴۹/۲

[41] قرافی، شہاب الدین ، احمدبن ادریس، الفروق، مکتبة عالم الکتب، ۱۴۹،۱۵۰/۲

[42] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع اول،۱۹۹۰ء، ص:۲۰۰

[43] سیوطی ، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیه، بیروت، طبع اول،۱۹۹۰ء، ص:۷۸

[44] بخاری، محمدبن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول،۱۴۲۲ھ، ۷۱/۱

[45] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۲۸/۱

[46] ابن القیم الجوزیه، محمدبن ابی بکر، اعلام الموقعین، مکتبة الکلیات الازہریة، مصر،۱۹۶۸ء،۲۷۹/۴

[47] دکتور، صالح بن حمید، رفع الحرج فی الشریعة الاسلامیه، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی،طبع اول،۱۴۰۳ھ، ص: ۱۷۵

[48] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۶۷/۳

[49] ابوداودسجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداود، دارالکتاب العربی، بیروت، ۸۹/۴